

ہدایہ آخرین از کتاب المضاربت، نصاب
درجہ سادسہ کے اختلافات بنام

اختلافات الهدایة

ہاشم رضا عزیزی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الكريم ﷺ
أما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم

ہدایہ آخرین از کتاب المضاربت، نصاب
درجہ سادسہ کے اختلافات بنام

اختلافات الهداية

ہاشم رضا عزیزی

درجہ سادسہ

جامعۃ المدینہ شاہجہاں پور

کتاب المضاربة

جب کسی نے کہا کہ تم اس دین سے کام کرو جو تمہارے ذمے میں ہے یہ مضاربت بالاتفاق صحیح نہیں ہے۔

امام اعظم کی دلیل: اس لیے کہ وکیل بنانا ہی صحیح نہیں ہے۔

صاحبین کی دلیل: وکیل بنانا تو صحیح ہے لیکن خریدی ہوئی چیز میں ملکیت آمر کے لئے ہی واقع ہوگی تو یہ مضاربت فاسد ہو جائے گی سامان کے ذریعے۔

اگر رب المال نے مضاربت میں دس کی زیادتی کی شرط لگادی تو یہ مضاربت فاسد ہو جائے گی اور مضارب کو اجر مثلی دیا جائے گا۔

امام ابو یوسف: اجر مثلی مشروطہ مقدار سے تجاوز نہیں کرے گا۔

امام محمد: اجر مثل ہی دیا جائے گا چاہے اجر مثلی مشروطہ مقدار سے کم ہو یا زیادہ۔

امام محمد کی دلیل: اس لیے کہ اجر کی اجرت واجب ہوتی ہے منافع کے سپرد کرنے سے یا کام کرنے سے اور یہاں پر کام پالیا گیا۔

امام ابو یوسف کی دلیل: امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ جیسے مضاربت صحیحہ میں نفع نہ ملنے کی صورت میں اجرت واجب ہوتی اسی طرح مضاربت فاسدہ میں بھی نفع نہ ملنے کی صورت میں مضارب کو اجرت نہیں ملے گی اور جب مضاربت صحیحہ میں عدم ربح کی صورت میں مضارب مستحق اجر نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ مضاربت فاسدہ میں بدرجہ اولیٰ وہ مستحق اجر نہیں ہوگا ، کیونکہ مضاربت صحیحہ مضاربت فاسدہ سے فائق اور برتر ہے۔

امام ابو یوسف: مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ رأس المال کے ساتھ سفر کرے۔

امام اعظم: اگر رب المال نے مضارب کو رأس المال اسی شہر میں دیا ہے تو اس کو لے کر سفر کرنا جائز نہیں ہے اگر دوسرے شہر میں دیا ہے تو سفر کرنا جائز ہے۔

امام اعظم کی دلیل: بغیر ضرورت کے رأس المال کو ہلاکت پر پیش کرنا لازم آئے گا۔

اگر رب المال نے تصرف کو یا کام کو خاص کر دیا کسی معین شہر کے ساتھ تو مضارب نفس اخراج سے ضامن ہو جائے گا (یہ جامع صغیر میں ہے) اور صحیح یہ ہے کہ خریدنے سے ضامن ہوگا۔

تطبیق کی صورت: نفس اخراج سے وہ ضامن ہو جائے گا اور خریدنا اسے اور پختہ کر دے گا۔

باب المضارب يضارب

رب المال کی اجازت کے بغیر جب مضارب نے دوسرے کو بطور مضاربت مال دیا تو صرف دینے سے ضامن نہیں ہوگا اور نہ ہی مضارب ثانی کے کام کرنے کی وجہ سے ضامن ہوگا حتیٰ کے فائدہ حاصل ہو جائے تو مضارب اول رب المال کا ضامن ہوگا۔

اس سلسلے میں فقہاء کرام کے اقوال مختلف ہیں۔

امام اعظم: صرف دینے یا کام کرنے سے مضارب اول ضامن نہیں ہوگا بلکہ جب نفع حاصل ہوگا تب ضامن ہوگا۔

امام اعظم کی دلیل: کیونکہ مضارب اول کو مال مضاربت امانت اور البضاع کے طور پر بھی دینے کا اختیار ہے اور ان صورتوں میں چونکہ مضارب ثانی کی نفع میں بھی شرکت نہیں ہوتی اس لیے دینے اور کام کرانے کی صورت میں اول پر ضمان نہیں ہوگا ہاں جب دوسرا شخص نفع کمالے گا تب اس میں دوسرے کی شرکت متحقق ہوگی اور اس وقت اول ضامن ہوگا۔

حضرات صاحبین: جب دوسرا شخص کام شروع کر دے گا تو مضارب اول ضامن ہوگا خواہ اس میں نفع ہو یا نہ ہو۔

صاحبین کی دلیل: کیونکہ کام شروع کرنے کی وجہ سے یہ دینا مضاربت کے لیے محقق ہو جائے گا اور نفع ملنا نہ ملنا تو بعد کی بات ہے اور اسے کوئی نہیں جانتا ہے اس لیے کام شروع کرنا مضاربت کرانے کی دلیل ہوگا اور اسی پر ضمان مرتب ہوگا۔ یہی ظاہر الروایہ ہے۔

امام زفر: م حض دوسرے کو دینے سے ہی اول ضامن ہوگا خواہ دوسرا کام شروع کرے یا نہ کرے۔

اگر عبد ماذون نے عقد مضاربت کی کس اجنبی کے ساتھ اور اجنبی نے شرط لگا دی مولیٰ پر کام کرنے کی تو اگر عبد ماذون پر دین ہو تو صحیح ہے۔

صاحبین: یہ عقد صحیح نہیں۔

امام اعظم: یہ عقد صحیح ہے۔

امام اعظم کی دلیل: اس لئے کہ مولیٰ اجنبی کے منزل میں ہے۔

مضارب نے کوئی سامان نقد اور ادھار فروخت کیا پھر اس نے ثمن کے تقاضے اور اس کی وصولیابی میں مہلت دیدی تو اس کے لیے یہ تاخیر اور تاخیل درست اور جائز ہے بالاجماع۔

حضرات طرفین: اس لیے کہ وکیل تاخیر ثمن کا مالک ہوتا ہے تو مضارب بدرجہ اولیٰ مالک ہوگا مگر مضارب ضامن نہیں ہوتا کیونکہ مضارب کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ بیع کو فسخ کر کے اسے ادھار بیچ دے برخلاف وکیل کے کیونکہ وہ اس چیز کا مالک نہیں ہوتا ہے۔

امام ابو یوسف: مضارب اقالہ کا بھی مالک ہے پھر اس کے بعد ادھار بیچنے کا بھی برخلاف وکیل کے کیونکہ وہ اقالہ کا مالک نہیں ہوتا۔

اگر رأس المال یا مال مضاربت میں غلام یا باندی ہوں تو مضارب اس مال مضاربت سے کسی غلام یا باندی کا نکاح نہیں کر سکتا احتاف کے نزدیک۔ امام ابو یوسف کے نزدیک باندی کی نکاح کروا سکتا ہے۔

امام ابو یوسف کی دلیل: کیونکہ نکاح کے بعد مضارب کو مہر ملے گا اور وہ مذکورہ باندی کے نفقہ اور خرچہ سے بچ جائے گا اور ظاہر ہے کہ یہ بھی کمائی ہے۔

حضرات طرفین کی دلیل: عقد مضاربت میں مضارب صرف وکیل بالتجارة ہے جب کہ نکاح کرنا تجارت نہیں ہے اس لیے یہ عقد نکاح کو شامل نہیں ہو گا جیسا کہ مکاتب بنانا اور مال لے کر غلام آزاد کرنا اس عقد میں شامل نہیں ہوتا، کیونکہ اگرچہ ان سے بھی مضارب کو مال حاصل ہوتا ہے، لیکن چونکہ یہ طریقہ تجارت کا نہیں ہے اس لیے انہیں بھی عقد مضاربت شامل نہیں ہوگا۔

ضارب کی دوا مضارب کے مال سے ہوگی یا مال مضاربت سے ہوگی اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

ظاہر الروایہ: مضارب کی دوا اس کے مال میں ہوگی۔
ظاہر الروایہ کی دلیل: ن نفقہ کی ضرورت تو یقینی طور پر معلوم ہے جب کہ دواء کی ضرورت مرض پیش آنے پر ہوتی ہے اس لیے بیوی کا نفقہ شوہر پر ہوتا ہے اور اس کی دوا اس کے اپنے مال سے ہوتی ہے۔

امام اعظم: سے ایک روایت یہ ہے کہ دوا بھی نفقہ میں داخل ہوگی۔
امام اعظم کی دلیل: کیونکہ دوا سے بدن کی اصلاح ہوتی ہے اور بدن کی درستگی کے بغیر مضارب تجارت نہیں کر سکے گا۔

اگر مضارب کے پاس دو ہزار دراہم ہوں اور وہ یہ کہہ رہا ہو کہ تم نے مجھے ایک ہزار دیا تھا اور ایک ہزار میں نے نفع کمایا ہے۔ رب المال کہتا ہے کہ نہیں بلکہ میں نے تمہیں دو ہزار دیا تھا تو ایسی صورت میں کس کا قول معتبر ہوگا اس میں اختلاف ہے۔

امام اعظم: پہلے اس بات کے قائل تھے کہ رب المال کا قول معتبر ہوگا یہی امام زفر کا بھی قول ہے۔
امام اعظم و امام زفر کی دلیل: کیونکہ مضارب نفع میں رب المال پر شرکت کا مدعی ہے حالاں کہ
رب المال اس کا منکر ہے اور منکر کا قول معتبر ہوتا ہے۔ بعد میں اس قول سے رجوع فرمائے تھے جو
قدوری میں مذکور ہے۔

امام قدوری و مشہور و معتبر مذہب: م مضارب کی بات معتبر ہوگی۔
دلیل: کیونکہ یہ اختلاف در حقیقت مضارب کے قبضہ کردہ مقدار میں ہے اور اس جیسی صورت میں
قابض کا قول معتبر ہوتا ہے خواہ وہ ضامن ہو یا امین ہو اس لیے کہ مقبوضہ مقدار سے مضارب زیادہ
واقف ہوتا ہے۔

کتاب الودیعة

اگر مودع نے ودیعت کے ساتھ اپنا مال ملا دیا حتیٰ کے تمیز ختم ہوگئی تو ایسی
صورت میں مودع ضامن ہوگا یا نہیں اس کے بارے میں دو مذہب ہیں۔

امام اعظم: مودع ضامن ہوگا اب مودع کے لئے اس مال پر کوئی حق نہیں ہوگا۔
امام اعظم کی دلیل: یہ من وجہ استہلاک ہے کیونکہ اب مالک کے لئے اپنے عین حق کو وصول
کرنا متعذر ہے اور تقسیم کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ شرکت کے احکام میں سے ہے لہذا تقسیم
موجب شرکت نہیں۔

حضرات صاحبین: اگر مودع نے ودیعت کے ہم جنس مال سے اسے ملا دیا ہو تو اگر مودع چاہے تو
اس میں شریک ہو جائے مثلاً گندم کو گندم سے ملا دیا ہو۔

صاحبین کی دلیل: مالک کے لئے صورتہ اپنے حق کو وصول کرنا ممکن نہیں ہے ہاں تقسیم کے ذریعے
معنی اس کی وصولیابی ممکن ہے لہذا یہ من وجہ استہلاک ہوگا اور من وجہ استہلاک نہیں ہوگا اور
مالک کو اختیار ہوگا جس طرف چاہے مائل ہو جائے۔

صاحبین کی جواب کا رد: تقسیم معتبر نہیں ہوگا اس لئے کہ تقسیم شرکت کا حکم تو لیکن تقسیم شرکت کا سبب نہیں ہے۔ اور جو حکم ہے وہ سبب نہیں بن سکتا اور جو سبب ہے وہ حکم نہیں بن سکتا ہے۔

اگر مائعات کو اس کی جنس سے ملایا تو اس کے بارے میں تین مذہب ہیں۔

امام اعظم: مالک کا حق ختم ہو کر ضمان میں تبدیل ہو جائے گا اس دلیل کی وجہ سے جو ماقبل میں بیان ہوا (لانه استهلاك من كل وجه)۔

امام ابو یوسف: اقل کو اکثر کا تابع بنایا جائے گا غالب کا اعتبار کرتے ہوئے اجزاء کے اعتبار سے۔

امام محمد: ہر حال میں شریک ہوگا اس لئے کہ جنس جنس پر غالب نہیں ہوتا (علی ما مر فی الرضاع) اس کی نظیر۔ کسی نے دراہم کو ملا دیا اس کے مثل سے پگھلا کر۔ اس لئے درہم مانع ہو جائے گا پگھلانے سے۔

اگر مودع نے مال ودیعت میں تعدی کی بایں طور کہ وہ سواری تھی اور مودع اس پر سوار ہو گیا پھر مودع نے اس تعدی کو ختم کر کے وہ مال پھر اپنے قبضہ میں لے لیا تو ضمان زائل ہو جائے گا یا نہیں اس کے بارے میں دو مذہب ہیں۔

امام اعظم: ضمان زائل ہو جائے گا۔

امام شافعی: ضمان سے بری نہیں ہوگا۔

دلیل: اس لیے کہ اس کے ضمان بنتے ہی عقد ودیعت ختم ہو گیا، اس لیے کہ ضمان اور امانت میں منافات ہے لہذا مالک کو واپس کیے بغیر وہ ضمان سے بری نہیں ہوگا۔

امام اعظم کی دلیل: ودیعت کا معاملہ ابھی بھی برقرار ہے، کیوں کہ امر بالودیعتہ مطلق تھا اور حکم عقد کا ختم ہونا اس کی نقیض (ضمان) کے ثابت ہونے کی وجہ سے بر بنائے ضرورت تھا، لیکن جب نقیض ختم ہوگئی تو عقد کا حکم عود کر آئے گا جیسے کسی نے کسی کو حفاظت کی غرض سے ایک ماہ تک کے لیے نوکر رکھا اور نوکر نے مہینے میں کچھ دن حفاظت ترک کر دیا پھر مابقی دنوں میں حفاظت کیا تو پورا ماہ حفاظت کرنے والا شمار ہوگا۔ اور صورت مسئلہ میں مالک کے نائب کو واپس کرنا پایا گیا۔

اگر مودع نے مودع کے علاوہ کسی دوسرے کے سامنے ودیعت کا انکار کرے تو ضامن نہیں ہوگا امام ابو یوسف کے نزدیک برخلاف امام زفر کے۔

امام ابو یوسف کی دلیل: دوسرے کے سامنے انکار کرنا بھی حفاظت کا ایک طریقہ ہے کیونکہ اس سے امانت کو ہڑپ کرنے والوں کی لالچ کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اس لئے کہ مودع کی موجودگی میں یا اس کی طلب کے بغیر مودع خود کو معزول نہیں کر سکتا لہذا عقد باقی رہے گا برخلاف اس صورت کے جب یہ کام مودع کی موجودگی میں ہو۔

مودع کو مال ودیعت لے کر سفر کرنے کا حق ہے اگرچہ اسے لانے لیجانے میں بار برداری اور مشقت ہوتی ہو۔

امام اعظم: مذکورہ حکم ہے۔

امام اعظم کی دلیل: مودع نے مودع کو مطلق حکم دیا ہے اور اگر راستہ مامون ہو تو میدان بھی محل حفاظت ہے اس لیے بچے کے مال میں باپ اور وصی کو ساتھ لے کر سفر کرنے کا حق ہوگا۔

حضرات صاحبین: اگر اس میں بار برداری اور خرچہ ہو تو اسے لے کر سفر کرنے کا حق نہیں ہے۔
صاحبین کی دلیل: جس مال کو لے کر جانے میں بار برداری اور خرچ ہو وہ خرچ مالک پر لازم ہوگا
اور ظاہر یہ ہے کہ مالک اس پر راضی نہیں ہوگا لہذا یہ اختیار مخصوص حالت کے ساتھ مقید ہوگا۔

امام شافعی: دونوں صورتوں میں اسے سفر کرنے کا حق نہیں ہے۔

امام شافعی کی دلیل: اسے حفظ متعارف کے ساتھ مقید کرتے ہیں اور وہ شہروں میں حفاظت کرنا ہے
یہ ایسا ہو گیا جیسے اجرت پر کسی کو حفاظت کے لیے مقرر کرنا۔

ہماری طرف سے اس کا جواب: مالک پر واپسی کا خرچ اس وجہ سے واجب ہوگا کہ اس کی
ملکیت میں اس کا حکم پورا کیا گیا ہے، لہذا اس کی پروا نہیں کی جائے گی اور معتاد محافظین کا شہر
میں رہنا ہے نہ کہ ان کا شہر میں حفاظت کرنا ہے اس لیے کہ جو شخص جنگل میں رہتا ہے وہ
وہاں اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے، برخلاف اجرت پر محافظ لینے کے کیوں کہ یہ عقد معاوضہ
ہے اور مکان عقد میں تسلیم کا متقاضی ہے اگر مودع نے مودع کو مال ودیعت لے کر جانے
سے منع کر دیا لیکن وہ لے کر نکل گیا تو ضامن ہوگا، اس لیے کہ یہ تقیید مفید ہے، کیوں کہ
شہر میں حفاظت کرنا زیادہ غالب ہے، لہذا یہ تقیید صحیح ہوگی۔

اگر دو لوگوں نے کسی ایک آدمی کے پاس کوئی چیز ودیعت رکھی اور پھر ان میں
سے ایک مودع آ کر اپنا حصہ مانگنے لگا تو اس کا حصہ دیا جائے گا یا نہیں اس
بارے میں دو مذہب ہیں۔

امام اعظم: جب تک دوسرا مودع نہ آجائے اس وقت تک اسے اس کا حصہ نہیں دیا جائے گا۔

حضرات صاحبین: اسے اس کا حصہ دے دیا جائے۔

جامع صغیر میں ہے تین لوگوں نے ایک شخص کے پاس ایک ہزار روپے ودیعت رکھا اور دو غائب ہو گئے تو امام اعظم کے یہاں حاضر کے لیے اپنا حصہ لینے کا حق نہیں ہے۔ حضرات صاحبین کے یہاں حاضر اپنا حصہ لے سکتا ہے اور یہ اختلاف کیلی اور موزونی چیز میں ہے اور قدوری میں بھی یہی مراد ہے۔

حضرات صاحبین کی دلیل: حاضر نے اپنا حصہ لینے کا مطالبہ کیا ہے، لہذا مودع کو اس کا حصہ دینے کا حکم دیا جائے گا جیسے دین مشترک میں ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ہی چیز کا مطالبہ کر رہا ہے تو مودع کو بھی حکم دیا جائے گا کہ وہ مودع کا حصہ اس کے حوالے کر دے۔

امام اعظم کی دلیل: حاضر غائب کے حصے کو مانگ رہا ہے کیونکہ وہ الگ اپنا حصہ مانگ رہا ہے حالانکہ اس کا حق مشترک ہو چکا ہے اور مفرز معین دو حق پر مشتمل ہوتا ہے اور موجود کا حق تقسیم کے بغیر الگ نہیں ہو سکتا اور مودع کو تقسیم کی ولایت نہیں ہے اس لیے اس کا دینا بالاتفاق تقسیم نہیں ہوگا۔ برخلاف دین مشترک کے، کیونکہ اس میں ایک شریک اپنے حق کی سپردگی کا مطالبہ کرتا ہے اس لیے کہ قرضے بالمثل ادا کیے جاتے ہیں۔

ہماری طرف سے جواب: لینے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ مودع کو دینے پر مجبور کیا جائے جیسے کسی کے کسی شخص کے پاس ہزار درہم بطور ودیعت ہوں اور مودع پر دوسرے کا ایک ہزار قرض ہو تو قرض خواہ کو یہ حق ہے کہ جب بھی کامیابی پائے اس کا مال لے لے لیکن مودع کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ قرض خواہ کو دیدے۔

اگر کسی آدمی نے دو لوگوں کے پاس کوئی قابل تقسیم چیز ودیعت رکھی تو ان میں ایک کا دوسرے کو وہ چیز دینا جائز نہیں ہے لیکن وہ دونوں اسے تقسیم کر سکتے ہیں اور ان میں سے ہر شخص نصف نصف کی حفاظت کرے اور اگر وہ چیز نا قابل تقسیم ہو تو ایک مودع کا دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کی حفاظت کرنا جائز ہے۔

امام اعظم: مذکورہ حکم ہے۔ دومتہن اور دوکیل بالشراء کے متعلق بھی امام اعظم کے یہاں یہی حکم ہے جب ان میں سے ایک دوسرے کے سپرد کر دے۔

حضرات صاحبین: دونوں صورتوں میں ایک کو دوسرے کی اجازت کے بغیر حفاظت کرنے کا حق ہے۔

صاحبین کی دلیل: مودع ان دونوں کی امانت پر راضی ہوا ہے لہذا ان میں سے ہر ایک کو یہ حق ہوگا کہ وہ دوسرے کے حوالے کر دے اور دینے والا ضامن نہیں ہوگا جیسے غیر قابل تقسیم چیزوں میں ہوتا ہے۔

امام اعظم کی دلیل: مودع ان دونوں کی حفاظت پر راضی ہوا ہے اور پورے مال پر کسی ایک کی حفاظت پر راضی نہیں ہوا ہے اس لیے کہ فعل حفظ جب ایسی چیز کی طرف منسوب ہو جو قابل تقسیم ہو تو وہ فعل اس چیز کے بعض حصے کو شامل ہوگا پورے کو شامل نہیں ہوگا، لہذا دوسرے کی طرف سپردگی مالک کی اجازت سے خالی ہوگی اس لیے دینے والا ضامن ہوگا اور لینے والا ضامن نہیں ہوگا، کیوں کہ امام اعظم کے یہاں مودع کا مودع ضامن نہیں ہوتا۔

اگر کسی نے کسی کے پاس کوئی امانت ودیعت رکھی اور اس نے دوسرے کے پاس رکھ دیا پھر وہ امانت ہلاک ہوگئی تو مودع صرف پہلے کو ضامن بنا سکتا ہے اور دوسرے کو ضامن نہیں بنا سکتا۔

امام اعظم: مذکورہ حکم ہے۔

حضرات صاحبین: مودع دونوں میں سے جسے چاہے ضامن بنا دے۔

صاحبین کی دلیل: کیونکہ دوسرا ایک ضامن کے قبضے سے لیکر اس پر قبضہ کیا ہے تو یہ غاصب کے موضع کی طرح ہو گیا کیونکہ مالک دوسرے کے پاس امانت رکھنے سے راضی نہیں ہے اس وجہ سے پہلا دینے کی وجہ سے اور دوسرا قبضہ کرنے کی وجہ تعدی کیا ہے تو اگر وہ اول سے ضمان لے لیتا ہے تو اول دوسرے سے واپس نہیں لے گا، کیوں کہ ضمان دیدینے سے اول مودع مال و دیعت کا مالک ہو چکا ہے اگر مودع نے دوسرے مودع سے ضمان لیا تو دوسرا مودع پہلے سے وہ رقم واپس لے گا اس لیے کہ دوسرا مودع اول کے لیے عامل ہے۔

امام اعظم کی دلیل: مودع ثانی نے امین کے قبضہ سے مال پر قبضہ کیا ہے اس لیے کہ اول محض دینے سے ضامن نہیں ہو گا جب تک کہ دے کر اس سے جدا نہ ہو جائے، کیوں کہ مفارقت سے پہلے اول کی رائے اس میں شامل رہتی ہے لہذا ان میں سے کسی کی طرف سے تعدی نہیں پائی گئی۔ ہاں جب مودع اول اس سے جدا ہو جائے گا تو وہ اپنے اوپر لازم شدہ حفاظت کو ترک کرنے والا ہو گا اور اس وجہ سے ضامن ہو گا۔ رہا دوسرا مستودع تو وہ پہلی حالت پر برقرار ہے اور اس کی طرف سے کوئی زیادتی نہیں پائی گئی ہے اس لیے وہ ضامن نہیں ہو گا جیسے اگر ہوا کسی کی گود میں دوسرے کا کپڑا اڑا کر ڈال دے تو جس کی گود میں کپڑا ڈالا گیا ہے وہ ضامن نہیں ہو گا۔

اگر اول کے لیے قابض کے قسم سے انکار کرتے ہی قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا تو اس کے متعلق تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔

امام بزدوی: دوسرے کے لیے بھی اس سے قسم لی جائے گی اور اگر وہ انکار کرتا ہے تو الف کے دونوں میں مشترک ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا اس لیے کہ پہلے مدعی کے حق میں فیصلہ کرنے سے دوسرے کا حق باطل نہیں ہوتا اس لیے کہ قاضی نے اول کو دوسرے سے از خود یا بذریعہ قرعہ اندازی مقدم کر دیا ہے اور ان میں سے کوئی بھی چیز دوسرے کے حق کو باطل نہیں کر سکتی۔

امام خصاف: پہلے کے حق میں قاضی کا فیصلہ نافذ ہو گا اور انھوں نے الف کی جگہ غلام میں مسئلہ فرض کیا ہے اور نفاذ قضاء کی وجہ قضاء کا محل اجتہاد سے متصل ہونا ہے اس لیے کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ قاضی پہلے کے لیے فیصلہ کر دے اور دوسرے کا انتظار نہ کرے اس لیے کہ انکار دلالہ اقرار ہے۔ پھر قاضی دوسرے کے لیے اس طرح قسم نہیں لے گا کہ یہ غلام اس کا نہیں ہے اس لیے کہ جب وہ غلام اول کا ہو چکا ہے تو اب اس کا انکار (لثانی) مفید نہیں ہو گا۔ اور کیا قاضی اس سے اس طرح قسم لے گا بخدا اس دوسرے مدعی کا نہ تو مدعی علیہ یعنی حالف پر یہ غلام باقی ہے اور نہ ہی اس کی اتنی اتنی قیمت خواہ کم ہو یا زیادہ؟

اس سلسلے میں امام خصاف فرماتے ہیں کہ امام محمد کے یہاں قاضی کو منکر سے اس طرح کی قسم لینا چاہئے۔ برخلاف امام ابو یوسف کے۔ اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ مودع اگر کسی شخص کے لیے ودیعت کا اقرار کرے حالانکہ قضاے قاضی سے مقررہ کے علاوہ کو وہ مال دیا جا چکا ہو تو امام محمد کے یہاں مودع مقررہ کے لیے ضامن ہو گا امام ابو یوسف کا اختلاف ہے اور تحلیف کا یہ مسئلہ اس مختلف فیہ مسئلہ کی فرع ہے اور اس میں کچھ طوالت بھی وارد ہے۔

کتاب العاریة

عاریت پر لی ہوئی چیز امانت ہوتی ہے اگر تعدی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو مستعیر ضامن نہیں ہوتا یا نہیں دو مذہب ہیں۔

امام اعظم: ضامن نہیں ہوگا۔

امام شافعی: ضامن ہوگا۔

امام شافعی کی دلیل: کیوں کہ مستعیر استحقاق کے بغیر اپنے لیے دوسرے کے مال پر قبضہ کرتا ہے اس لیے وہ ضامن ہوگا۔ لہذا ماورائے ضرورت میں اجازت ظاہر نہیں ہوگی، اس لیے مال عاریت کی واپسی ضروری ہوتی ہے اور یہ سوم شراء کے طور پر کسی چیز پر قبضہ کرنے کی طرح ہو گیا۔

امام اعظم کی دلیل: لفظ عاریت التزام ضمان کی خبر نہیں دیتا، کیوں کہ یہ عوض کے بغیر منافع کی تملیک یا اس کی اباحت کے لیے موضوع ہے اور قبضہ کرنے میں تعدی نہیں ہوتی کیوں کہ قبضہ تو مالک کی اجازت سے ہوتا ہے اور مالک کی طرف سے اجازت اگرچہ نفع حاصل کرنے کے لئے ہے لیکن مستعیر بھی تو صرف نفع حاصل کرنے کے لیے ہی مستعار پر قبضہ کرتا ہے، اس لیے اس کے قبضہ میں تعدی نہیں ہوگی۔ اور مستعیر پر واپس کرنا اس لیے واجب ہے کہ اس میں خرچہ ہوتا ہے جیسے عاریت پر لی ہوئی چیز کا نفقہ اسی مستعیر پر واجب ہوتا ہے۔

اگر شیء مستعار ایسی چیز ہو جو استعمال کرنے سے مختلف نہ ہوتی ہو تو مستعیر وہ چیز دوسرے کو عاریت پر دے سکتا ہے اس کے بارے میں دو مذہب ہیں۔

امام اعظم: مذکورہ حکم ہے۔

امام شافعی: وہ دوسرے کو عاریت پر نہیں دے سکتا۔

امام شافعی کی دلیل: اس لیے کہ ان کے یہاں عاریت تملیک اباحت ہے اور مباح کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ شئی مباح دوسرے کو مباح کر دے۔ اس حکم کی دلیل یہ ہے کہ منافع معدوم ہوتے ہیں اور ملکیت میں آنے کے قابل نہیں ہوتے البتہ اجارہ میں بر بنائے ضرورت منافع کو موجود مان لیا جاتا ہے اور مستعیر کے لیے مباح کرنے سے یہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے لہذا مستعیر کے مستعیر کے حق میں نہ یہ ضرورت ہوگی اور نہ ہی اباحت ثابت ہوگی۔

امام اعظم کی دلیل: عقد اعارہ میں منافع کی تملیک ہوتی ہے اور جب مستعیر ہر اعتبار سے منافع کا مالک ہو جاتا ہے تو وہ اعارہ کا بھی مالک ہوگا جیسے اگر کسی نے کسی کے لیے اپنے غلام کی خدمت کی وصیت کی تو موصی لہ خدمت کے ذریعے اس غلام کو دوسرے کی خدمت کے لیے دے سکتا ہے، لہذا مستعیر بھی دوسرے کو اعارہ پر دیا سکتا ہے۔

کسی نے خالص زمین عاریت پر لیا کھیتی کے لئے تو کونسا لفظ لکھے گا اس کے متعلق دو مذہب ہیں۔

امام اعظم: اَطْعَمْتَنِي لکھے گا۔

صاحبین: اَعَرْتُ نَبِي لکھے گا۔

صاحبین کی دلیل: لفظ اعارہ عقد اعارہ ہی کے لئے وضع کیا گیا ہے اور موضوع کے ذریعے لکھنا زیادہ اولیٰ ہے۔

امام اعظم کی دلیل: لفظ بعام صرف زراعت کے ساتھ خاص ہوتی ہے جبکہ اعارہ دونوں کو شامل ہوتا ہے اس لیے لفظ بعام لکھنا اولیٰ ہے۔

کتاب الهبة

ہبہ میں قبضہ ضروری ہے یا نہیں اس کے بارے میں دو مذہب ہیں۔

مام مالک: قبضے سے پہلے ہبہ میں ملکیت ثابت ہوتی ہے بیع کا اعتبار کرتے ہوئے۔

امام اعظم: ہبہ میں قبضہ ضروری ہے۔

امام اعظم کی دلیل 1: حضور ﷺ کا فرمان ہے ہبہ قبضہ کے بغیر جائز نہیں ہے (ملک کی نفی مراد ہے)۔

دلیل 2: ہبہ عقد تبرع ہے اور قبضے سے پہلے ملکیت ثابت کرنے میں ایسی شئی کو لازم کرنا ہے جو اس نے اپنے اوپر لازم نہیں کیا تھا (وہو التسليم)۔

اگر شئی موهوب پر موهوب نہ قبضہ کرے مجلس میں تو جائز ہے اور مجلس سے جدا ہونے کے بعد قبضہ کرے تو جائز نہیں ہے مگر یہ کہ واہب اجازت دے دے۔ قیاس تقاضی کر رہا ہے کہ دونوں صورتوں میں جائز نہ ہو اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

امام شافعی کی دلیل: کیونکہ قبضہ واہب کی ملکیت میں تصرف کرنا ہے کیونکہ اس کی ملکیت قبضہ سے پہلے باقی ہے تو اس کی اجازت کے بغیر قبضہ صحیح نہیں ہوگا۔

امام اعظم کی دلیل: ہبہ میں قبضہ کرنا قبول کے منزل میں ہے کیونکہ ہبہ قبول پر موقوف ہوتا ہے اس کے حکم کے ثبوت کے لئے اور وہ ملک ہے

قابل تقسیم چیزوں میں اس وقت ہبہ جائز ہے جب انھیں تقسیم کر کے الگ الگ کر دیا گیا ہو اور جو چیز تقسیم کے قابل نہ ہو اس کو غیر تقسیم شدہ حالت میں ہبہ کرنا جائز ہے۔

امام اعظم: مذکورہ حکم ہے۔

امام شافعی: دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

دلیل: اس لیے کہ ہبہ عقد تملیک ہے، لہذا دونوں میں جائز ہوگا جیسے مشترک اور غیر مشترک چیز کی بیع صحیح ہے، یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ غیر قابل تقسیم چیز بھی حکم ہبہ یعنی ملکیت کو قبول کرتی ہے، لہذا مشاع چیز بھی محل ہبہ ہوگا اور شیوع اس کے تبرع ہونے کو باطل نہیں کرتا جیسے قرض اور وصیت میں ہے۔

ہماری دلیل: ہبہ میں قبضہ مشروط اور منصوص ہوتا ہے، لہذا کمال قبضہ شرط ہوگا اور مشاع اور مشترک چیز دوسری چیز کو ملائے بغیر پورے قبضہ کو قبول نہیں کرتی تو ہبہ کو جائز قرار دینے میں واہب پر ایسا عمل لازم کرنا لازم آئے گا جس کا اس نے التزام نہیں کیا ہے اس لیے قبضہ سے پہلے ہبہ کا جواز ممنوع ہے تاکہ واہب پر شیء موهوب کی تسلیم نہ لازم آئے۔ برخلاف ان چیزوں کے جو قابل تقسیم نہیں ہیں، اس لیے کہ اس میں ناقص قبضہ ہی ممکن ہے لہذا اسی پر اکتفاء کر لیا جائے گا اور اس لیے کہ غیر قابل تقسیم چیزوں میں واہب پر تقسیم کی مشقت نہیں لازم آئے گی۔ اور مہایات اس چیز میں لازم آئی ہے جس کا واہب نے تبرع نہیں کیا ہے اور ہبہ عین سے متصل ہے اور وصیت کے لیے قبضہ شرط نہیں ہے ایسے ہی بیع صحیح، بیع فاسد، بیع صرف اور بیع سلم میں بھی قبضہ مشروط اور منصوص نہیں ہے اور اس لیے کہ یہ عقود ضمان ہیں لہذا تقسیم کا صرف لازم ہونے کے مناسب ہیں۔ اور قرض من وجہ تبرع ہے اور من وجہ عقد مضمان ہے لہذا ہم نے قرض میں قبضہ قاصرہ کی شرط لگائی ہے اور تقسیم کی شرط نہیں لگائی ہے تاکہ دونوں حیثیتوں پر عمل ہو جائے علاوہ از میں اس میں قبضہ غیر منصوص ہے۔

اگر ایک شخص نے ایک دار دو لوگوں کو ہبہ کیا تو اس کے متعلق مذاہب یہ ہیں۔

امام اعظم: یہ ہبہ جائز نہیں ہے۔

حضرات صاحبین: یہ ہبہ جائز ہے

دلیل: اس لیے کہ یہ بھی دونوں کے لیے ایک ساتھ ہبہ ہے ، کیوں کہ تملیک ایک ہی ہے لہذا شیوع پیدا نہیں ہوگا جیسے کسی نے دو لوگوں کے پاس ایک مکان گروی رکھا۔

امام اعظم کی دلیل: ہر ایک کے لیے نصف نصف کا ہبہ ہے اس لیے اگر غیر قابل تقسیم چیز کا ہبہ ہوتا اور ایک موہوب لہ اسے قبول کرتا تو صحیح ہو جاتا۔ اور اس لیے بھی کہ دونوں میں سے ہر ایک کے لیے نصف نصف ملکیت ثابت ہو رہی ہے لہذا تملیک بھی نصف نصف ہی ثابت ہوگی ، کیوں کہ ملکیت تملیک کا حکم ہے اور اس حوالے سے اشتراک پیدا ہو جائے گا۔ بر خلاف رہن کے اس لیے کہ اس کا حکم روکنا ہے اور جس دونوں مرتہن کے لیے مکمل ثابت ہوگا اور رہن میں شیوع نہیں ہوگا اس لیے اگر کسی راہن کا دین ادا کر دیا گیا تو بھی مرہون میں سے کوئی چیز واپس نہیں لی جاسکتی۔

جامع صغیر میں ہے کہ اگر کسی نے دو محتاجوں پر دس درہم صدقہ کیا یا انھیں ہبہ کیا تو جائز ہے اور اگر دو مالداروں پر دس درہم صدقہ کیا یا انھیں ہبہ دیا تو جائز نہیں ہے۔

حضرات صاحبین: مالداروں کے لیے بھی جائز ہے۔

امام اعظم: ہبہ اور صدقہ میں سے ہر ایک کو دوسرے کا مجاز قرار دیا ہے اور ان میں مجاز ہونے کی صلاحیت موجود ہے اس لیے کہ ہبہ اور صدقہ دونوں میں بدون بدل تملیک ہوتی

ہے اور امام اعظم نے جامع صغیر میں دو روایتیں ہیں اور امام اعظم اپنی اور امام محمد پی اپنی اپنی اصل پر قائم ہیں۔

اگر کسی نے دو آدمیوں کو ایک گھر اس طرح ہبہ کیا کہ ایک کے لیے دو تہائی حصہ مقرر کیا اور دوسرے کے لیے ایک ثلث تو یہ ہبہ جائز نہیں ہے۔

شیخین: مذکورہ حکم ہے۔

امام محمد: جائز ہے۔

اگر دونوں کے لیے نصف نصف متعین کیا تو امام ابو یوسف سے اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں اور امام اعظم اپنی اور امام محمد اپنی اپنی اصل پر قائم ہیں۔ امام ابو یوسف کے لیے وجہ فرق یہ ہے کہ بعض بعض کی صراحت کرنے سے یہ واضح ہو گیا کہ واہب بعض ہی میں ملکیت ثابت کرنا چاہ رہا ہے اس لیے شیوع متحقق ہو جائے گا اس لیے اگر کسی نے دو آدمیوں کے پاس کوئی چیز رہن رکھی اور آدھے آدھے کی صراحت کر دی تو رہن جائز نہیں ہے۔

باب ما یصح رجوعه وما لا یصح

اگر کسی نے کسی اجنبی کے لیے کوئی چیز ہبہ کی تو اسے رجوع کا حق حاصل ہے۔

امام شافعی: ہبہ میں رجوع نہیں ہوتا۔

دلیل: نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے واہب اپنے ہبہ کو واپس نہیں لے سکتا لیکن والد اپنے لڑکے کو جو ہبہ کرتا ہے اسے واپس لے سکتا ہے اور اس لیے کہ رجوع تملیک کی ضد ہے اور عقد اپنی ضد کا تقاضہ نہیں کرتا۔ برخلاف اپنے لڑکے کے لیے والد کا ہبہ کرنا اس لیے کہ اس ہبہ میں تملیک تام نہیں ہوتی، کیوں کہ لڑکا اپنے باپ کا جزء ہوتا ہے۔

ہماری دلیل: حضور ﷺ کا ارشاد ہے واہب اپنے ہیہ کا زیادہ حق دار ہوتا ہے جب تک موہوب لہو اسے بدلہ نہ دیدے۔ اور اس لیے کہ عقد عقد سے عموماً بدلہ کی خواہش مقصود ہوتی ہے، لیکن بدلہ نہ ملنے کے وقت واہب کو فسخ کی ولایت حاصل ہوگی، کیوں کہ یہ عقد بھی فسخ کو قبول کرتا ہے۔

ہماری طرف سے امام شافعی کو جواب: ان کی روایت کر دو حدیث سے رجوع میں خود مختار ہونے کی نفی کی گئی ہے اور والد کے لیے رجوع کا اثبات ہے، کیوں کہ بر بنائے حاجت والد اس کا مالک ہے اور اسے رجوع کہا جاتا ہے، اور قدوری میں جو فلہ الرجوع مذکور ہے وہ بیان حکم کے لیے ہے لیکن رجوع کا مکروہ ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے ہب واپس لینے والا قئے کو چاٹنے والے کی طرح ہے اور یہ تشبیہ اس کی قباحت ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

اگر کسی نے بدلہ کی شرط کے ساتھ کوئی چیز ہبہ کی تو مجلس عقد میں دونوں عوض پر قبضہ کرنا معتبر ہوگا اور اشتراک سے ہبہ باطل ہو جائے گا۔ اس لیے کہ یہ ابتداءً ہبہ ہے پھر اگر دونوں نے قبضہ کر لیا تو عقد صحیح ہو جائے گا اور بیع کے حکم میں ہوگا یعنی عیب اور خیار رویت کی وجہ سے اس کو واپس کیا جائے گا اور اس میں شفعہ کا استحقاق ثابت ہوگا، اس لیے یہ انتہاء بیع ہے۔

امام زفر اور امام شافعی: یہ ابتداءً بھی بیع ہے اور انتہاءً بھی بیع ہے۔

دلیل: کیونکہ اس میں بیع کا معنی یعنی تملیک بالعوض موجود ہے اور عقود میں معانی ہی کا اعتبار ہوتا ہے اس لیے اپنے غلام کو اس کے ہاتھ مولیٰ کا فروخت کرنا اعتناق ہوگا۔

ہماری دلیل: یہ عقد دو جہتوں پر مشتمل ہے ، لہذا دونوں مشابہتوں پر عمل کرتے ہوئے حتی الامکان انھیں جمع کیا جائے گا ، اور جمع کرنا ممکن بھی ہے اس لیے کہ ہبہ کے حکم میں سے یہ بھی ہے کہ قبضہ تک ملکیت مؤخر ہو جاتی ہے اور بیع فاسد میں بھی ملکیت مؤخر ہو جاتی ہے جب کہ بیع کا ایک حکم یہ ہے کہ عقد کے بعد وہ لازم ہو جاتی ہے اور تعویض یعنی بدلہ دینے سے ہبہ بھی لازم ہو جاتا ہے لہذا ہم نے مذکورہ ہبہ میں دونوں چیزوں کو جمع کر دیا ہے ۔ برخلاف مولیٰ کے اپنے غلام کو اس غلام کے ہاتھ بیچنے کے ، کیوں کہ اس میں اس لیے کہ اس میں بیع کا اعتبار کرنا ممکن نہیں ہے ، کیوں کہ غلام اپنی ذات کا مالک نہیں ہو سکتا۔

طرفین: رقبی باطل ہے۔

امام ابو یوسف: جائز ہے۔

دلیل: اس کا قول داری لک شکی تملیک ہے جبکہ رقبی شرط فاسد ہے عمری کی طرح۔

طرفین کی دلیل یہ: حضور ﷺ نے عمری کو جائز قرار دیا ہے اور رقبی کو رد فرما دیا ہے ۔ اور اس لیے کہ ان حضرات کے یہاں رقبی کا معنی یہ ہے کہ اگر میں تجھ سے پہلے مر گیا تو میرا گھر تیرا ہے اور لفظ رقبی مراقبہ سے مشتق ہے گویا کہ ایک دوسرے کے مرنے کا انتظار کرتا ہے اور اس میں موت پر تملیک کو معلق کرنا ہے اس لیے یہ باطل ہے ۔ اور جب حضرات طرفین کے یہاں رقبی صحیح نہیں ہے تو ان کے یہاں وہ معاملہ عاریت ہوگا اس لیے کہ یہ جملہ مطلق نفع اٹھانے کو تضمن ہے ۔

باب الاجر متی يستحق

اجارہ میں نفس عقد سے اجرت واجب نہیں ہوتی بلکہ تین باتوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے سے اجرت کا استحقاق ہوتا ہے (۱) تعجیل کی شرط کے ساتھ (۲) تعجیل کی شرط کے بغیر (۳) پورا معقود علیہ حاصل کرنے کی شرط۔

امام شافعی: نفس عقد ہی سے اجرت کا مالک ہوگا۔

دلیل: صحیح عقد کی ضرورت کی وجہ سے معدوم منافع حکماً موجود مان لیا جاتا ہے لہذا اس کے مقابل جو بدل ہے اس میں بھی فوراً حکم ثابت ہو جائے گا۔

ہماری دلیل: عقد منعقد ہوتا ہے تھوڑا تھوڑا حدوث منافع کے طریقے پر اور چوں کہ یہ عقد عقد معاوضہ ہے اور معاوضہ مساوات کا متمنی ہے لہذا منفعت میں تاخیر ہونے سے لا محالہ بدل ثانی یعنی اجرت میں بھی تاخیر ہوگی۔ ہاں جب مستاجر منفعت وصول کر لے گا تو اجرت میں ملکیت ثابت ہو جائے گی تاکہ تسویہ متحقق ہو جائے۔ ایسے ہی جب پیشگی اجرت لینے کی شرط لگادی گئی یا شرط کے بغیر ہی مستاجر نے پہلے اجرت دیدی۔ تو بھی اجرت میں ملکیت ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ مساوات مستاجر کا حق بن کر ثابت تھی حالانکہ اس نے خود اسے باطل کر دیا۔

اگر کسی نے کسی نان بائی کو اجرت پر لیا تاکہ وہ اس کے گھر ایک درہم پر روٹی بنائے تو تندور سے روٹی نکالے بغیر وہ مستحق اجرت نہیں ہوگا، لیکن اگر نان بائی کے روٹی نکالنے کے بعد اس کے عمل کے بغیر روٹی جل گئی تو اسے اجرت ملے گی، کیونکہ اسکے گھر میں رکھنے سے وہ تسلیم کرنے والا ہو چکا ہے اور اس پر ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ اس کی طرف سے جنایت نہیں پائی گئی ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم حضرت امام اعظم کے یہاں ہے اس لیے کہ خباز کے قبضہ میں روٹی امانت ہوتی ہے۔

حضرات صاحبین: مستاجر اپنے آٹے کے بقدر ضمان لے گا اور اسے اجرت بھی نہیں ملے گی اس لیے کہ مذکورہ چیز اس پر مضمون ہے لہذا حقیقی تسلیم کے بغیر خباز ضمان سے بری نہیں ہوگا۔ اور اگر مستاجر چاہے تو خباز سے روٹیوں کا ضمان لے لے اور اسے اجرت دے دے۔

اگر کسی نے کسی کو کچی اینٹ بنانے کے لیے اجرت پر رکھا تو جب وہ مزدور اینٹوں کو کھڑا کر دے گا تو مستحق اجرت ہو جائے گا۔

امام اعظم: مذکورہ حکم ہے۔

حضرات صاحبین: اینٹوں کو تہ بہ تہ کرنے سے پہلے مزدور مستحق اجرت نہیں ہوگا۔

دلیل: اس لیے کہ ترتیب سے رکھنا اس مزدور کی تمامیت میں سے ہے ، کیونکہ اس سے پہلے خراب ہونے سے اطمینان نہیں ہوتا تو یہ تنور سے نکالنے کی طرح ہو گیا۔ اور اس لیے کہ عرفا مزدور ہی ترتیب سے رکھنے کا ذمہ دار ہوتا ہے اور جس چیز میں صراحت نہ ہو اس میں عرف ہی کا اعتبار ہوتا ہے۔

امام اعظم کی دلیل: اینٹوں کو کھڑا کرنے سے کمہار کا کام مکمل ہو جاتا ہے اور ترتیب سے رکھنا ایک زائد کام ہے جیسے تالاب سے اینٹوں کو منتقل کرنا۔

جواب ہماری طرف سے: الا تری تشریح سے پہلے کام والی جگہ تک اینٹ منتقل کرنے سے بھی ان اینٹوں سے نفع اٹھایا جاتا ہے۔ برخلاف اٹھانے سے پہلے کے ، اس لیے کہ اقامت سے پہلے وہ پھیلی ہوئی مٹی رہتی ہے۔ اور برخلاف روٹی کے ، اس لیے کہ تنور سے نکالنے سے پہلے وہ ناقابل انتفاع رہتی ہے۔

ہر وہ کاری گر جس کے کام کا اثر عین میں موجود ہو جیسے دھوبی اور رنگ ریز تو کام سے فارغ ہونے کے بعد اسے اس عین کو روکنے کا حق ہے یہاں تک کہ وہ پوری اجرت وصول کر لے۔ اس لیے کہ معقود علیہ ایسا وصف ہے جو کپڑے میں موجود ہے لہذا بدل وصول کرنے کے لیے اسے اس عین کو روکنے کا حق ہوگا جیسے بیع میں ہوتا ہے۔ اگر اس کے قبضے میں وہ چیز ضائع ہوگئی تو امام اعظم کے یہاں صانع پر ضمان نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ جس میں وہ متعدی نہیں ہے لہذا حسب سابق وہ چیز اس کے پاس امانت رہ گئی۔ اور اسے اجرت بھی نہیں ملے گی، اس لیے کہ معقود علیہ پر سپردگی سے پہلے ہی ہلاک ہو گیا ہے۔

حضرات صاحبین: عین جس سے پہلے مضمون تھی لہذا جس کے بعد بھی وہ مضمون رہے گی، لیکن مالک کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو صانع کو بغیر کام کئے ہوئے کپڑے کی قیمت کا ضامن بنائے اور اسے اجرت نہ دے اور اگر چاہے تو استری کردہ اور رنگے ہوئے کپڑے کی قیمت کا ضامن بنائے اور صانع کو اس کے کام کی اجرت دیدے۔

ہر وہ کاری گر جس کے کام کا اثر عین میں اثر نہ ہو اسے اجرت وصول کرنے کے لیے جس بیع کا حق نہیں ہے جیسے قلی اور ملاح، اس لیے کہ معقود علیہ نفس عمل ہے اور وہ عین میں موجود نہیں ہوتا لہذا اسے روکنا متصور بھی نہیں ہوگا اس لیے اسے ولایت جس بھی نہیں حاصل ہوگی۔ اور کپڑا دھلنا بوجھ اٹھانے کی نظیر ہے۔ یہ حکم آبق کے برخلاف ہے چنانچہ واپس لانے والے کو مختانہ وصول کرنے کے لیے حق جس حاصل ہوگا حالانکہ راد (واپس کرنے والا) کے عمل کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا، کیونکہ آبق ہلاکت کے قریب تھا اور راد نے اسے بچالیا تو یہ ایسا ہو گیا کہ راد نے مولیٰ سے وہ آبق فروخت کیا ہے اس لیے اسے حق جس حاصل ہوگا۔

ائمہ ثلاثہ: مذکورہ حکم ہے۔

امام زفر: دونوں صورتوں میں صانع کو حق جس نہیں حاصل ہوگا اس لیے کہ بیع (معقود علیہ) کے مستاجر کی ملکیت سے متصل ہونے سے تسلیم متحقق ہوگئی ہے لہذا حق جس ساقط ہو جائے گا۔

ہماری دلیل: محل یعنی مستاجر کی ملکیت سے صانع کے کام کا متصل ہونا کام درست کرنے کی ضرورت کے تحت تھا، لہذا صانع اس کے تسلیم ہونے پر راضی نہیں ہوگا اور اس کا حق جس ساقط نہیں ہوگا جیسے اگر بائع کی رضامندی کے بغیر مشتری بیع پر قبضہ کر لے تو بائع کو حق جس حاصل ہوتا ہے۔

اگر کسی نے کسی کو بصرہ میں کسی کے پاس اپنا خط لے جانے اور لانے کے لیے اجرت پر رکھا اور مزدور گیا لیکن مکتوب الیہ مرچکا تھا اور اجیر وہ خط واپس لے آیا تو اسے اجرت نہیں ملے گی۔

حضرات شیخین: مذکورہ حکم ہے۔

امام محمد: اجیر کو جانے کی اجرت ملے گی۔

دلیل: اس لیے کہ اس نے بعض معقود علیہ کو پورا کر دیا ہے یعنی جانے کی مسافت طے کر لی ہے۔ یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ اجرت قطع مسافت ہی کے مقابل ہے، کیونکہ سفر کرنے میں ہی مشقت ہے اور خط اٹھا کر لیجانے میں کوئی مشقت نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا وزن ہلکا ہوتا ہے۔

حضرات شیخین کی دلیل: معقود علیہ خط لانا لیجانا ہے اس لیے کہ یہی مقصود اجارہ ہے اور وہ خط میں لکھی باتوں کا علم ہے اور وجوب اجرت کا حکم خط لانے لیجانے سے متعلق ہے حالانکہ اجیر نے نقل کو ختم کر دیا ہے لہذا اس کی اجرت ساقط ہو جائے گی۔

باب مايجوز من الاجارة وما يكون خلافاً فيها

اگر مستاجر نے زور سے لگام کھینچی یا اسے مارا اور وہ ہلاک ہو گیا تو ضمان ہوگا یا نہیں اس کے متعلق دو مذہب ہیں۔

امام اعظم: مستاجر ضامن ہوگا۔

حضرات صاحبین: اگر اس نے عام دستور کے مطابق ایسا کیا ہے تو ضامن نہیں ہوگا۔
دلیل: کیونکہ متعارف کام مطلق عقد کے تحت داخل ہوتا ہے لہذا وہ کام مالک کی اجازت سے حاصل ہوا ہوگا اس لیے مستاجر ضامن نہیں ہوگا۔

امام اعظم کی دلیل: اجازت وصف سلامتی کے ساتھ مقید ہوتی ہے، کیونکہ کج اور ضرب کے بغیر بھی دابہ کو چلانا ممکن ہے اور یہ دونوں کام تو تیز چلانے کے لیے ہوتے ہیں، لہذا یہ وصف سلامتی کے ساتھ مقید ہوں گے جیسے راستہ میں چلنا وصف سلامتی کے ساتھ مقید ہے۔

اگر مستاجر نے زین نکال کر گدھے پر ایسا پالان باندھ دیا کہ اس جیسا پالان گدھوں پر باندھا جاتا ہے تو ضامن ہوگا یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

امام اعظم: مستاجر ضامن ہوگا۔

حضرات صاحبین: زیادتی کے حساب سے ضامن ہوگا۔

دلیل: کیونکہ جب اس جیسا پالان گدھوں پر باندھا جاتا ہے تو وہ اور زین دونوں برابر ہو گئے اور مالک اس سے راضی ہوگا الا یہ کہ پالان زین سے زیادہ وزنی ہو تو مستاجر زیادتی کا ضامن ہوگا، کیونکہ مالک زیادتی پر راضی نہیں ہے تو متعین کردہ بوجھ میں زیادتی کی طرح ہو گیا جب وہ زیادتی اس کی جنس سے ہو۔

حضرت امام اعظم کی دلیل: پالان زین کی جنس سے نہیں ہے ، کیونکہ وہ بوجھ لادنے کے لیے لگایا جاتا ہے اور زین سوار ہونے کے لیے لگائی جاتی ہے نیز پالان دابہ کی پشت پر اتنا پھیلتا ہے جتنا زین نہیں پھیلتی۔ لہذا مستاجر ماجر کا مخالف ہوگا جیسے کوئی شخص حنطہ لادنے کی شرط لگانے کے بعد دابہ پر لوہا لاد دے۔

باب الاجارة الفاسدة

مقتضائے عقد کی مخالف شرط اجارہ کو فاسد کر دیتی ہیں جیسے بیع کو فاسد کر دیتی ہیں ، کیونکہ اجارہ بیع کے حکم میں ہوتا ہے ، کیا دیکھا نہیں ہے کہ اجارہ کا بھی اقالہ ہوتا ہے اور اسے بھی منع کیا جاتا ہے۔ اور اجارہ فاسدہ میں اجرت مثلی واجب ہوتی ہے لیکن اسے متعین کردہ اجرت سے بڑھایا نہیں جاتا۔

امام اعظم: مذکورہ حکم ہے۔

امام زفر اور امام شافعی: اعیان کی بیع پر قیاس کرتے ہوئے اس کی ہر امکانی اجرت واجب ہوگی۔

ہماری دلیل: منافع بذات خود منقوم نہیں ہوتے ، بلکہ لوگوں کی حاجت کے پیش نظر عقد کی وجہ سے منقوم ہوتے ہیں ، لہذا ضرورت کے تحت اجارہ کے عقد صحیح پر اکتفاء کر لیا جائے گا ، لیکن اجارہ فاسدہ صحیحہ کے تابع ہے لہذا اجارہ صحیحہ میں عادتاً اور عموماً جس چیز کو بدل قرار دیا جاتا ہے اسے اجارہ فاسدہ میں بدل مان لیا جاتا گا اور وہ اجرت ملی ہے لیکن جب اجارہ فاسدہ میں۔

اگر چاند رات کو اجارہ منعقدہ ہوا ہو تو سال کے جملہ مہینوں کا حساب چاند سے ہوگا اور اگر درمیان ماہ میں معاملہ ہوا ہو تو پورے سال کا حساب دنوں سے ہوگا۔

امام اعظم: مذکورہ حکم ہے

امام محمد: پہلے مہینے کا حساب ایام سے ہوگا اور مابقی مہینوں کا حساب چاند سے ہوگا۔

دلیل: اس لیے کہ حساب و کتاب میں بر بنائے ضرورت ایام کا سہارا لیا جاتا ہے اور یہ ضرورت صرف پہلے مہینے میں ہے۔

امام اعظم کی دلیل: جب پہلے مہینے کا معاملہ ایام سے ہوا تو لازماً دیگر ماہ کا حساب ایام ہی سے ہوگا اور آخر سال تک یہی معاملہ ہوگا۔ اس کی نظیر عدت ہے۔

اذان، حج، امامت اور قرآن و فقہ کی تعلیم پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر وہ عبادت جو مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے ہمارے یہاں اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

امام شافعی: ہر اس کام میں اجرت لینا صحیح ہے جو اجیر پر متعین ہو کر واجب نہ ہو۔
دلیل: اس لیے کہ یہ ایسے متعین کام پر اجرت لینا ہے جو اجیر پر واجب نہیں ہے لہذا جائز ہے۔

ہماری دلیل: آپ ﷺ کا ارشاد ہے قرآن پڑھو اور اسے کھانے کمانے کا ذریعہ نہ بناؤ اور آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ سے جو عہد لیا تھا اس کے اخیر میں یہ جملہ بھی ارشاد فرمایا تھا اگر تمہیں مؤذن بنایا جائے تو اذان کی اجرت نہ لینا، اور اس لیے کہ جب بھی کوئی عبادت ہوگی وہ عامل کی طرف سے واقع ہوگی اسی وجہ سے عبادت میں عامل کی اہلیت کا اعتبار کیا جاتا ہے لہذا عامل کے لیے دوسرے سے اجرت لینا جائز نہیں ہوگا جیسے روزے اور نماز میں ہے۔

امام اعظم: غیر تقسیم شدہ چیز کا اجارہ جائز نہیں ہے ہاں شریک کو اجارہ پر دینا جائز ہے۔
حضرات صاحبین: مشاع کا اجارہ جائز ہے۔
دلیل: مشترک چیز سے بھی نفع حاصل کیا جاسکتا ہے اس لیے اس کی اجرت مثلی واجب ہوتی ہے اور تخلیہ یا باری مقرر کرنے سے شئی مستاجر کی تسلیم بھی ممکن ہے یہ ایسا ہی ہو گیا جیسے ایک شریک نے اپنے شریک کو اجارہ پر دیا یا دو آدمیوں کو دیا۔ اور یہ بیع کی طرح ہو گیا۔

امام اعظم کی دلیل: موجد نے ایسی چیز اجارے پر دی ہے جسے سپرد کرنے پر وہ قادر نہیں ہے لہذا یہ اجارہ جائز نہیں ہوگا۔ یکم اس وجہ سے ہے کہ مشترک چیز کو تنہا سپرد کرنا ممکن نہیں ہے۔

امام اعظم: غلہ اور کپڑے پر دائی رکھنا استئمانا جائز ہے۔ حضرات صاحبین: جائز نہیں ہے۔
دلیل: اس لیے کہ اجرت مجہول ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے روٹی بنانے اور کھانے پکانے کے لیے کسی کو اجرت پر لیا۔

امام اعظم کی دلیل: یہ جہالت مفضی الی المنازعت نہیں ہے، کیونکہ بچوں پر شفقت کے پیش نظر عموماً دودھ پلانے عورتوں کے متعلق کشادہ دلی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے ایک ڈھیر غلہ میں سے ایک قفیز فروخت کرنا۔ برخلاف روٹی اور کھانا پکانے کے، کیونکہ ان کی جہالت مفضی الی المنازعة ہوتی ہے۔

اگر کسی نے کوئی نان بائی اجرت پر رکھا تاکہ وہ ایک درہم کے عوض آج ہی اس کے لیے دس سیر کی روٹی پکا دے تو اجارہ فاسد ہوگا۔

امام اعظم: مذکورہ حکم ہے۔
حضرت صاحبین: اجارات میں یہ جائز ہے۔

دلیل: اس لیے کہ صحیح عقد کے پیش نظر عمل کو معقود علیہ قرار دیا جائے گا اور وقت کے بیان کو جلدی کرنے پر محمول کیا جائے گا اور جہالت ختم ہو جائے گی۔

امام اعظم کی دلیل: صورت مسئلہ میں معقود علیہ مجہول ہے اس لیے کہ وقت بیان کرنے سے منفعت کا معقود علیہ ہونا لازم آتا ہے اور عمل کے تذکرے سے اس کا معقود علیہ ہونا لازم آتا ہے اور یہاں کسی کے لیے وجہ ترجیح نہیں ہے۔ ثانی میں مستاجر کا فائدہ ہے جب کہ پہلے میں مزدور کا فائدہ ہے، لہذا یہ صورت مفضی الی المنازعت ہوگی۔

اگر کسی شخص نے دوسری زمین کی کھیتی کے عوض کھیتی کرنے کے لیے کسی کی زمین کرائے پر لی تو اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

امام اعظم: مذکورہ حکم ہے۔
امام شافعی: یہ جائز ہے اسی حکم پر ہے رہائش کے عوض رہائش کا اجارہ اور کپڑے کے عوض کپڑے کا اجارہ۔

امام شافعی کی دلیل: منافع اعیان کے درجے میں ہیں حتیٰ کہ دین کو اجرت مقرر کر کے اجارہ جائز ہے اور دین کے عوض دین کا اجارہ صحیح نہیں ہے۔

ہماری دلیل: جنس کے عوض جنس کا ادھار حرام ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے قوہستانی کپڑے کو قوہستانی کپڑے کے عوض ادھار فروخت کرنا۔

باب ضمان الاجیر

اجیر مشترک کے پاس جو سامان ہوتا ہے وہ امانت کے طور پر ہوتا ہے اور اگر وہ سامان ہلاک ہو جائے ضامن ہوگا یا نہیں اس کے بارے میں دو مذہب ہیں۔

امام اعظم و امام زفر: ضامن نہیں ہوگا۔

حضرات صاحبین: اجیر ضامن ہوگا ، لیکن اگر کسی ناگہانی آفت سے ہلاک ہوا ہو تو ان کے یہاں بھی اجیر ضامن نہیں ہوگا جیسے زبردست آگ لگ جانے وغیرہ سے سامان ہلاک ہوا ہو۔

صاحبین کی دلیل: حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اجیر مشترک کو ضامن بناتے تھے ۔ اور اس وجہ سے بھی وہ ضامن ہوگا کہ سامان کی حفاظت اس پر واجب ہے ، کیونکہ حفاظت کے بغیر اس کے لیے کام کرنا ممکن نہیں ہوگا ، لہذا اگر کسی ایسے سبب سے وہ سامان ہلاک ہوا ہو جس سے بچنا ممکن ہو جیسے غصب اور سرقہ تو یہ اجیر کی طرف سے کوتاہی شمار ہوگی اور اجیر اس سامان کا ضامن ہوگا جیسے اجرت پر رکھی ہوئی ودیعت کی ہلاکت مودع پر مضمون ہوتی ہے ،

امام اعظم کی دلیل: اجیر مشترک کے پاس جو چیز ہوتی ہے وہ بطور امانت ہوتی ہے ، اس لیے کہ مستاجر کی اجازت سے اجیر اس پر قبضہ کرتا ہے اس لیے اگر سامان کسی ایسے سبب سے ہلاک ہو جس سے بچنا ممکن نہ ہو تو اجیر اس کا ضامن نہیں ہوتا حالانکہ اگر وہ سامان اجیر کے پاس بطور ضمانت ہوتا تو اس صورت میں بھی وہ ضامن ہوتا جیسے غصب کر دہ مال کا یہی حکم ہے ۔ اور سامان کی حفاظت کرنا اس پر تبعاً واجب ہے ، قصداً نہیں اس لیے حفاظت کے مقابلے اجرت نہیں ہوتی ۔ بر خلاف مودع بالاجر کے ، اس لیے کہ اس پر حفاظت بالقصد واجب ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کے مقابلے میں اسے اجرت ملتی ہے۔

جو چیز اجیر کے عمل اور کام سے ہلاک ہوئی ہو جیسے اس کے پٹخنے سے کپڑے کا پھٹنا، جمال کا فلسنا، کرایے پر لینے والا جس رسی سے بوجھ کو باندھتا ہے اس کا ٹوٹ جانا اور ملاح کے کھینچنے سے کشتی کا ڈوب جانا یہ تمام چیزیں اجیر پر ضمان ہوگا۔

امام زفر اور شافعی: اس پر ضمان نہیں ہوگا۔

دلیل: کیونکہ ان کے مالکان نے اجیر کو مطلقاً کام کرنے پر مامور کیا تھا لہذا یہ حکم کام کی دونوں قسموں (عیب دار صحیح سالم) کو شامل ہوگا یا اجیر خاص اور یہ دھوبی کی اعانت کرنے والے کی طرح ہو گیا۔

ہماری دلیل: اجازت کے تحت وہی چیز داخل ہوتی ہے جو عقد کے تحت داخل ہوتی ہے اور وہ ٹھیک ٹھاک کام ہے، کیونکہ عمل صالح ہی اثر یعنی حقیقی معقود علیہ کے حصول کا ذریعہ ہے حتیٰ کہ اگر دوسرے کے فعل سے معقود علیہ حاصل ہوا تو بھی مستاجر پر اجرت واجب ہوگی لہذا اس میں خراب کام کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ بر خلاف اعانت کرنے والے کے، کیونکہ وہ متبرع ہوتا ہے اور تبرع کو صحیح سالم کے ساتھ مقید کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے کہ تقیید تبرع سے مانع ہے، اور جس مسئلے میں ہماری گفتگو ہے اس میں اجیر اجرت لیکر کام کر رہا ہے، لہذا اسے مصلح سے مقید کرنا ممکن ہے۔ اور بر خلاف اجیر خاص کے۔

باب الاجارة على احد الشرطین

اگر مستاجر نے درزی سے کہا کہ اگر تم اس کپڑے کو آج سیوگے تو ایک درہم سلائی ہوگی اور اگر کل سیوگے تو نصف درہم سلائی ملے گی۔ اب اگر وہ آج سینتا ہے تو اسے ایک درہم ملے گا اور اگر کل سینتا ہے تو امام اعظم کے یہاں اسے اجرت مثلی ملے گی جو نصف درہم سے زائد نہیں ہوگی۔

جامع صغیر میں ہے کہ اجرت مثلی نصف درہم سے کم نہیں ہوگی اور ایک درہم سے زائد نہیں دی جائے گی۔

حضرات صاحبین: دونوں شرطیں جائز ہیں۔
امام زفر: دونوں شرطیں فاسد ہیں۔

امام زفر کی دلیل: اس لیے کہ سلائی کا کام ایک ہی ہے اور اس کے مقابلے میں بر سبیل بدل دو بدل بیان کیے گئے ہیں، اس لیے حقیقی بدل مجہول ہوگا۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ یوم کا تذکرہ تعجیل کے لیے ہے اور غد کا ذکر آسانی پیدا کرنے کے لیے ہے اور ہر دن دو مسمی جمع ہوں گے۔

حضرات صاحبین کی دلیل: یوم کا ذکر تاقت یعنی بیان مدت کے لیے ہے اور غد کا ذکر تعلیق کے لیے ہے لہذا ہر دن دو مسمی نہیں ہونگے۔ اور اس لیے کہ تعجیل و تاخیر دونوں چیزیں مقصود ہیں لہذا اسے دونوع کے اختلاف کے درجے میں اتار لیا جائے گا۔

امام اعظم کی دلیل: غد کا ذکر تو واقعتاً تعلیق کے لیے ہے اور یوم کو تاقیت پر محمول کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے کہ ایسا کرنے سے وقت اور عمل کا اجتماع ہوگا اور عقد فاسد ہو جائے گا اور اس صورت میں غد میں دو مسمی جمع ہوں گے نہ کہ یوم میں لہذا الیوم کا ذکر صحیح ہوگا اور الیوم کی اجرت مسمی واجب ہوگی۔ اور غد کا ذکر فاسد ہوگا اور غد میں اجرت مثلی واجب ہوگی جو نصف درہم سے زائد نہیں ہوگی، اس لیے کہ غد میں نصف درہم ہی اجرت مسمی ہے۔

جامع صغیر میں ہے: یوم ثانی میں پہلا تسمیہ معدوم نہیں ہوگا لہذا زیادتی روکنے کے لیے اس کا اعتبار ہوگا اور کمی روکنے کے لیے دوسرا تسمیہ معتبر ہوگا۔ اور اگر درزی نے وہ کپڑا تیسرے دن سیا تو امام اعظم کے یہاں نصف درہم سے زیادہ اس کی اجرت نہیں ہوگی یہی صحیح ہے۔

مالک نے مستاجر سے کہا کہ اگر تم اس دکان میں کسی عطار کو لا کر بٹھاؤ تو ایک درہم ماہانہ کرایہ ہوگا اور اگر کسی لوہار کو، دو گے تو ماہانہ دو درہم کرایہ ہوگا تو عقد جائز ہے اور مستاجر جو بھی کام کرے گا امام اعظم کے یہاں اس کام کی اجرت مسمی کا حق دار ہوگا۔ حضرات صاحبین کے یہاں اجارہ فاسد ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے اس شرط پر گھر کرائے پر لیا کہ اگر مستاجر خود اس میں رہے گا تو ایک درہم کرایہ ہوگا اور اگر اس میں کسی لوہار کو رکھے گا تو دو درہم کرایہ ہوگا تو امام اعظم کے یہاں یہ عقد جائز ہے۔ حضرات صاحبین کے یہاں جائز نہیں ہے۔

اگر کسی نے حیرہ تک جانے کے لئے اس شرط پر کرائے کی سواری لی کہ اگر ایک من جو لادے گا تو نصف درہم کرایہ ہوگا اور اگر ایک من گندم لا دے گا تو ایک درہم کرایہ ہوگا تو امام اعظم کے یہاں یہ جائز ہے ، حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے۔

صاحبین کی دلیل: معقود علیہ مجہول ہے نیز اجرت بھی دو چیزوں میں سے ایک ہی ہے اور وہ مجہول ہے اور جہالت موجب فساد ہے ، برخلاف رومی اور فارسی سلائی کے ، کیونکہ اجرت تو کام کے بعد لازم ہوگی اور اس وقت جہالت ختم ہو جاتی ہے اور ان مسائل میں تخلیہ کرنے اور سپرد کرنے سے اجرت واجب ہو جاتی ہے اور جہالت باقی رہتی ہے۔

امام اعظم کی دلیل: موجد نے مستاجر کو دو مختلف اور صحیح عقد کے مابین اختیار دیا ہے لہذا یہ اختیار صحیح ہوگا جیسے رومی اور فارسی والے مسئلے میں جائز ہے ۔ یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ مستاجر کا بذات خود اس گھر میں رہنا لوہا کو رکھنے سے مختلف ہے ۔ الا تری کہ مطلق عقد کے تحت دوسرے کو رکھنا داخل نہیں ہوتا ، اجارہ کی دوسری صورتوں میں بھی یہی حکم ہے ۔ اور اجارہ نفع حاصل کرنے کے لیے منعقد ہوتا ہے اور نفع حاصل کرتے وقت جہالت ختم ہو جاتی ہے ، اور اگر محض تسلیم سے ایجاب اجرت کی ضرورت ہو تو دونوں اجرتوں میں سے جو کم ہوگی وہی واجب ہوگی۔

باب اجارۃ العبد

اگر کسی نے کوئی غلام غصب کیا اور غلام نے اپنے آپ کو کہیں مزدوری پر لگالیا لیکن غاصب نے اس کی اجرت لیکر استعمال کر لی تو ضمان ہوگا یا نہیں دو مذہب ہیں۔

امام اعظم: غاصب پر ضمان نہیں ہوگا۔

حضرات صاحبین: غاصب پر ضمان ہوگا۔

دلیل: کیونکہ اس نے مالک کی اجازت کے بغیر اس کا مال کھا لیا ہے، کیونکہ یہ اجارہ بھی ہو چکا تھا۔

امام اعظم کی دلیل: محفوظ مال ہلاک کرنے سے ضمان واجب ہوتا ہے، اس لیے کہ احراز ہی سے تقوم ثابت ہوتا ہے اور صورت مسئلہ میں جو مال ہے وہ غاصب کے حق میں محرز نہیں ہے۔

باب الاختلاف

اگر کپڑے کا مالک کہے تم نے میرے لیے یہ کپڑا فری میں سیا ہے اور درزی کہے میں نے اجرت لے کر سیا ہے تو کپڑے والے کا قول معتبر ہوگا اس لیے کہ مالک اس کے کام کے قیمتی ہونے کا منکر ہے، اس لیے کہ کام عقد سے قیمتی ہوتا ہے نیز مالک ضمان کا منکر ہے جب کہ کاری گر اس کا مدعی ہے اور منکر ہی کا قول معتبر ہوتا ہے۔

امام ابو یوسف: اگر کپڑے کا مالک اس کا شریک ہو تو اسے اجرت ملے گی ورنہ نہیں۔
دلیل: کیونکہ ان کے مابین جو طریقہ پہلے سے جاری ہے اس کے پیش نظر اجرت کی جہت متعین ہے۔

امام محمد: اگر یہ مشہور ہو کہ کاری گر اس طرح کا کام اجرت پر کرتا ہے تو اسی کا قول معتبر ہوگا۔
دلیل: کیونکہ جب دکان اس لیے کھولی گئی ہے تو ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے اسے اجرت کی صراحت کے قائم مقام قرار دیا جائے گا۔

قیاس وہی ہے جو امام اعظم نے فرمایا ہے، کیونکہ مالک منکر ہے۔ اور حضرات صاحبین کے استحسان کا جواب یہ ہے کہ ظاہر دفع کرنے کے لیے ہوتا ہے جب کہ یہاں تو استحقاق کی ضرورت ہے۔

باب فسخ الاجارۃ

امام اعظم: اجارے میں خیار شرط لگانا صحیح ہے۔
امام شافعی: صحیح نہیں ہے۔

امام شافعی کی دلیل: کیونکہ اگر خیار مستاجر کے لیے ہوگا تو اس کے لیے کما حقہ معقود علیہ کو واپس کرنا ممکن نہیں ہوگا، اس لیے کہ معقود علیہ کا کچھ حصہ فوت ہو جاتا ہے۔ اور اگر موجر کے لیے اختیار ہو تو اس کے لیے بھی علی وجہ الکمال معقود علیہ کی تسلیم ممکن نہیں ہوگی اور یہ دونوں چیزیں خیار سے مانع ہیں۔

ہماری دلیل: اجارہ عقد معاوضہ ہے اور اس میں مجلس عقد کے اندر قبضہ شرط نہیں ہے لہذا اس میں خیار کی شرط لگانا ایسا ہے جیسے بیع میں خیار شرط لگانا اور اجارہ اور بیع میں علت جامعہ دفع حاجت ہے۔ اور اجارہ میں بعض معقود علیہ کا فوت ہونا خیار عیب کی وجہ سے واپس کرنے سے مانع نہیں ہے لہذا خیار شرط کی وجہ سے بھی رد ممنوع نہیں ہوگا۔ برخلاف بیع کے، یہ فرق اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ بیع میں پوری بیع کو واپس کرنا ممکن ہے لیکن اجارہ میں یہ امکان معدوم ہے اس لیے بیع میں پوری بیع کو واپس کرنا مشروط ہے اور اجارے میں یہ شرط نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کچھ مدت اجارہ گزرنے کے بعد موجر شئی مستاجر کو سپرد کرے تو مستاجر کو اس پر قبضہ کرنے کے لیے مجبور کیا جائے گا۔

امام اعظم: اعذار کی وجہ سے اجارہ فسخ کیا جاسکتا ہے۔
 امام شافعی: صرف عیب کی وجہ سے فسخ کرنا جائز ہے۔
 دلیل: کیونکہ ان کے یہاں منافع اعیان کے درجے میں ہیں حتیٰ کہ منافع پر عقد کرنا جائز ہے تو یہ بیع کے مشابہ ہو گیا۔

ہماری دلیل: منافع پر قبضہ نہیں ہوتا حالانکہ وہی معقود علیہ ہوتے ہیں تو اجارے کا عذر ایسا ہے جیسے قبضہ سے پہلے بیع میں عیب ہوتا ہے لہذا اس عذر کی وجہ سے اجارہ فسخ ہو جائے گا، کیونکہ سبب ان دونوں کو جامع ہے۔

کتاب الذبائح

اگر ذابح نے عامدا یا ناسیا تسمیہ چھوڑ دیا تو ذبیحہ کھایا جائے گا یا نہیں اس کے بارے میں تین مذاہب ہیں۔

امام اعظم: تسمیہ عامدا چھوڑا تو ذبیحہ مردار ہوگا، اگر ناسیا چھوڑا تو کھایا جائے گا۔
 امام اعظم کی دلیل 1: وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ، اس کی حرمت پر اجماع منعقد ہے، نیز عدی بن حاتم کی وہ حدیث ہے جس کے اخیر میں میں آپ نے یہ مضمون بیان فرمایا کہ تم نے صرف اپنے کتے پر تسمیہ کہا ہے اور اس کے علاوہ پر تسمیہ نہیں کہا ہے اس حدیث میں آپ ﷺ نے ترک تسمیہ کو حرمت کی علت بتایا ہے۔

امام شافعی: تسمیہ عامدا چھوڑا ہو یا ناسیا ذبیحہ حلال ہے اور کھایا جائے گا۔

امام شافعی کی دلیل: حضور ﷺ کا فرمان ہے مسلمان تو اللہ ہی کے نام پر ذبح کرتا ہے خواہ تسمیہ کہے یا نہ کہے۔

نقلی دلیل: اگر تسمیہ حلت کی شرط ہوتی تو نسیان کے عذر سے ساقط نہ ہوتی جیسے نماز میں طہارت شرط ہے تو طہارت کے بغیر نماز نہیں ہوتی تو اسی طرح تسمیہ ذبیحہ کی حلت کے لئے شرط ہوتی تو تسمیہ چھوڑنے سے ذبیحہ حلال نہ ہوتا حالانکہ یہ حلال ہے جس سے معلوم ہوا کہ تسمیہ ذبیحہ کی حلت کے لئے شرط نہیں۔

امام مالک: تسمیہ عامدا چھوڑے یا ناسیا ذبیحہ حرام و مردار ہوگا۔

امام مالک کی دلیل: احناف کی ذکر کردہ دلیلوں کی پاور سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ ان میں کوئی تفصیل نہیں ہے۔

ہماری طرف سے امام مالک کو جواب: ایسی صورت میں حرج لازم آئے گا حالانکہ کہ حرج کو اسلام میں دور کیا گیا ہے کیونکہ انسان بہت زیادہ بھولتا ہے۔

ہماری طرف سے امام شافعی کو جواب: آپ کو جواب اجماع کے خلاف ہے ، اور نقلی دلائل اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے کیونکہ دور صحابہ میں اختلاف ہوا اگر ظاہری معنی مراد ہوتا ہو صحابہ میں اختلاف ختم ہو جاتا ، اور جو حدیث پیش کی وہ حالت نسیان پر محمول ہے۔

ذبح میں کاٹی جانے والی رگیں چار ہیں ، حلقوم ، مرئی اور ودجان ، ذبح میں کاٹی جانے والی رگوں کے بارے میں مذاہب۔

آپ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ جس چیز سے چاہو اوداج کو کاٹ دو، اور یہ جمع کا لفظ ہے جس کی اقل مقدار تین ہیں، لہذا یہ مری اور ود جان کو شامل ہوگا، اور یہ حدیث حلقوم اور مری پر اکتفاء کرنے کے سلسلے میں امام شافعی پر حجت ہے، البتہ حلقوم کو کاٹنے بغیر ان تین رگوں کا کاٹنا ممکن نہیں ہے، لہذا اقتضاء السنہ سے حلقوم کا کاٹنا ثابت ہوگا، اور ہماری ذکر کردہ دلیل کے ظاہری مفہوم سے امام مالک یہ استدلال کرتے ہیں اور اکثر رگوں کے کاٹنے کو جائز قرار نہیں دیتے، بلکہ (ان کے یہاں) تمام کو کاٹنا شرط ہے، اور ہمارے نزدیک اگر پوری رگیں کاٹ دیا، تو ذبیحہ کا کھانا حلال ہے، اور اگر اکثر کو کاٹ دیا، تو بھی امام صاحب کے نزدیک حلال ہے، اور صاحبین کے یہاں حلقوم مری اور ایک وودج کا کاٹنا ضروری ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب کے یہاں جب تین رگیں کاٹ دیں، کوئی بھی تین ہوں تو ذبیحہ حلال ہو جائے گا، امام ابو یوسف بھی پہلے اس کے قائل تھے، پھر انھوں نے ہمارے ذکر کردہ قول کی جانب رجوع کر لیا، امام محمد سے مروی ہے کہ وہ ہر فرد کے اکثر کا اعتبار کرتے ہیں، یہی امام صاحب سے بھی ایک روایت ہے، اس لیے کہ ہر فرد (رگ) بذات خود اصل ہے، کیونکہ وہ دوسرے سے جدا ہے اور اس کے کاٹنے کا حکم وارد ہوا ہے، لہذا رگوں کے ہر جزء کا اکثر حصہ معتبر ہوگا۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ وودجین کے کاٹنے کا مقصد خون بہانا ہے، لہذا ایک کا کاٹنا دوسرے کے قائم مقام ہو جائے گا، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک خون کی نالی ہے، رہا مسئلہ حلقوم کا تو وہ مری سے الگ ہے، کیونکہ حلقوم گھاس اور پانی کی نالی ہے اور مری سانس کی خون کی نالی ہے۔

ناخن ، دانت اور سینگ سے ذبح کرنا جائز ہے ، بشرطیکہ یہ علاحدہ ہوں ، البتہ یہ ذبح مکروہ ہے۔

امام شافعی: ذبیحہ مردار ہوگا ، آپ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ جن جانوروں کا خون نکال کر ان کی رگیں کاٹ دی گئی ہوں ، انھیں کھاؤ ، ناخن اور دانت کے علاوہ ، اس لیے کہ ان دونوں چیزوں میں حبشیوں کی چھری ہیں ، اور اس لیے کہ یہ غیر مشروع کام ہے ، لہذا ذبح صحیح نہیں ہوگا۔

ہماری دلیل: آپ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ جس چیز سے چاہو خون بہا دو ، اور ایک روایت میں ہے کہ جس چیز سے دل کہے رگیں کاٹ دو۔

ہماری طرف سے امام شافعی کو جواب: وہ حدیث جسے امام شافعی نے روایت کیا ہے وہ غیر منزوع پر محمول ہے ، کیونکہ اہل حبشہ اسی طرح کیا کرتے تھے ، اور اس لیے کہ ناخن وغیرہ زخمی کرنے کا آلہ ہیں ، تو ان سے مقصود یعنی خون نکالنا حاصل ہو جائے گا اور یہ پتھر اور لوہے کے مثل ہو جائیں گے ۔ برخلاف غیر منزوع کے ، کیونکہ (اس صورت میں) ذابح جان بوجھ کر جانور کو قتل کرے گا ، لہذا یہ گلا گھونٹے ہوئے جانور کے درجے میں ہو جائے گا ۔ اور مکر وہ اس لیے ہے کہ اس میں آدمی کے جزو کا استعمال ہے ، اور اس لیے بھی کہ اس میں حیوان کے ساتھ سختی ہے جب کہ ذبح کے سلسلے میں ہمیں نرمی اور احسان کا حکم دیا گیا ہے ۔

شکاری جانور میں سے جو مانوس ہو جائے تو اس کی ذکاۃ ذبح ہے ، اور پالتو جانور میں سے جو وحشی ہو جائے تو اس کی ذکاۃ عقر اور جرح ہے ، اور اسی طرح جو پالتو جانور کنواں میں گر جائے اور ذکاۃ اختیاری سے عجز واقع ہو جائے تو ذکاۃ اضطراری کی طرف پھیر دیا جائے گا۔

امام مالک: دونوں صورتوں میں ذکاۃ اضطراری سے جانور حلال نہیں ہوگا کیونکہ یہ صورت نادر ہے۔

ہماری دلیل: یہ صورت نادر نہیں ہے بلکہ غالب ہے لہذا بدل (ذکاۃ اضطراری) کی طرف پھیرا جائے گا۔

امام محمد: جب بکری جنگل میں بدک جائے، تو اس کی ذکاۃ عقر ہے، اور اگر شہر میں بدک کے تو عقر سے حلال نہ ہوگی، اس لیے کہ شہر میں وہ اپنے آپ سے مدافعت نہیں کر سکے گی، لہذا شہر میں اس کا پکڑنا ممکن ہوگا، تو عجز نہیں ہے۔ اور اونٹ اور گائے کے سلسلے میں شہر اور غیر شہر دونوں برابر ہیں، اس لیے کہ یہ دونوں اپنے آپ سے مدافعت کر سکتے ہیں، لہذا کوئی ان کو پکڑنے پر قادر نہیں ہوگا، اگرچہ یہ دونوں شہر میں بدک جائیں۔ تو یہاں عجز محقق ہے، اور حملہ کرنا بدکتنے ہی کی طرح ہے۔

جس نے اونٹنی کا نحر کیا یا گائے ذبح کیا پھر اس کے پیٹ میں مرا ہوا بچہ پایا تو خواہ اس کے بال اگے ہوں یا نداگے ہوں، اسے کھایا نہیں جائے گا۔

امام اعظم و امام زفر و حسن بن زیاد: مذکورہ حکم ہے۔
صاحبین و امام شافعی: اگر اس کی خلقت تام ہوگئی ہے، تو اسے کھایا جائے گا۔

صاحبین و شوافع کی دلیل: اس لیے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جنین کی ذکاۃ اس کے ماں کی ذکاۃ ہے، اور اس لیے کہ جنین حقیقتاً ماں کا جزء ہے کہ اس کے ساتھ متصل رہتا ہے حتیٰ کہ اسے قینچی کے ذریعے الگ کیا جاتا ہے اور ماں کی غذاء سے غذا حاصل کرتا ہے اور اس کے سانس لینے سے یہ بھی سانس لیتا ہے۔ اسی طرح حکما بھی وہ ماں کے تابع ہے، یہاں تک کہ ماں پر منعقد ہونے والی بیج میں وہ بھی داخل ہو جاتا ہے۔ اور ماں کو آزاد کرنے سے وہ بھی آزاد ہو جاتا ہے۔ تو جب جنین ماں کا جزء ہے تو ماں کو زخم دینا اس کے لیے بھی ذکاۃ ہوگی، شکار کی طرح جنین کی ذکاۃ سے عاجزی کے وقت۔

ہماری دلیل: جنین حیات میں اصل ہے حتیٰ کہ ماں کی موت کے بعد بھی اس کی حیات متصور ہوتی ہے، اور اس وقت الگ سے ذبح کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جنین ایجاب غرہ میں منفرد ہوتا ہے اور اس کی طرف منسوب آزادی سے وہ آزاد ہو جاتا ہے، اور اس کے لیے یا کسی کے لیے اس کی وصیت کرنا درست ہوتی ہے اور وہ خون والا جانور ہے۔ اور ذکاۃ کا مقصود یعنی خون اور گوشت میں امتیاز پیدا کرنا ماں کے زخمی کرنے سے حاصل نہیں ہوتا ہے، اس لیے کہ ماں کو زخمی کرنا جنین سے خون نکلنے کا سبب نہیں ہے، لہذا خروج دم کے حق میں جنین کو ماں کے تابع نہیں بنایا جائے گا۔ بر خلاف شکار کو زخمی کرنے کے، اس لیے کہ زخم تھوڑا خون نکلنے کا سبب ہے، لہذا بوقت عذر اسے کل کے قائم مقام کر دیا جائے گا، اور جنین کو جواز طلب کرنے کے لیے بیع میں داخل کیا جاتا ہے تاکہ اس کو استثناء کرنے سے بیع فاسد نہ ہو جائے، اور ماں کو آزاد کرنے سے اس لیے جنین آزاد ہو جاتا ہے، تاکہ آزاد ماں سے رقیق بچہ جدا نہ ہو جائے۔

امام اعظم: عقیق نامی کوا کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
امام اعظم کی دلیل: اس لیے کہ یہ اختلاط کرتا ہے، لہذا یہ مرغی کے مشابہ ہے۔

امام ابو یوسف: عقیق مکروہ ہے۔
امام ابو یوسف کی دلیل: اس لیے کہ اس کی عام غذا گندگی ہے۔

امام اعظم و مالک: گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ ہے۔
امام ابو یوسف و محمد و شوافع: گھوڑے کا گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

دلیل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرما دیا اور گھوڑوں کے گوشت کی اجازت دے دی۔

ہماری دلیل: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَ زِينَةً**، طہو احسان جتلانے کے موقع سے وارد ہوا ہے، اور کھانا ان کی اعلیٰ منفعت ہے۔ اور حکیم اعلیٰ نعمت سے احسان جتلانے کو ترک نہیں کرے گا کہ وہ ادنیٰ نعمت سے اظہار احسان کرے، اور اس لیے کہ گھوڑا تو وہ دشمن کو خوف زدہ کرنے کا آلہ ہے، لہذا اس کے احترام میں اس کا کھانا مکروہ ہوگا۔

پانی کے جانوروں میں سے مچھلی کے سوا اور کچھ کھایا جائے گا یا نہیں اس کے بارے میں درج ذیل مذاہب ہیں۔

امام اعظم: مچھلی کے سوا اور کچھ نہیں کھایا جائے گا۔

امام مالک و شوافع اور اہل علم کی ایک جماعت: مطلقاً تمام دریائی جانوروں کو کھایا جائے گا، ان میں سے کچھ لوگوں نے خنزیر، کتا اور انسان کا استثناء کر دیا ہے۔

ان کی دلیل: اللہ تعالیٰ کا فرمان: **أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهُ** ہے، جو بغیر کسی تفصیل کے وارد ہے، نیز دریا کے متعلق آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے، اور اس لیے بھی کہ ان چیزوں میں خون نہیں ہوتا، کیونکہ خون والا جانور پانی میں نہیں رہتا، اور دم ہی حرام، لہذا مچھلی کے مشابہ ہو گیا۔

ہماری دلیل: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے **وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَ** اور مچھلی کے علاوہ سب خبیث ہیں، اور آپ ﷺ نے ایسی دواء سے منع فرمایا ہے، جس میں مینڈک ڈالا گیا ہو، اور آپ ﷺ نے کیکڑے کی بیج سے منع فرمایا ہے۔

ہماری طرف سے ان کو جواب: ان کی تلاوت کردہ آیت میں مذکور صید شکار کرنے پر محمول ہے اور شکار غیر حلال جانوروں میں بھی جائز ہے ، اور روایت میں مذکور میة مچھلی پر محمول ہے اور مچھلی اس سے مستثنیٰ اور حلال ہے اس لیے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے لیے دو مردے اور دو خون حلال کیے گئے ، بہر حال دو میت تو وہ مچھلی اور ٹڈی ہیں اور رہے دو دم تو وہ کلیجہ اور تلی ہیں۔

مچھلی میں سے طافی (جو مر کر الٹی ہو جائے) کھانے کے متعلق مذہب۔

امام اعظم: طافی مچھلی کھانا مکروہ ہے۔

امام مالک اور امام شافعی: طافی میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام مالک و شافعی کی دلیل: ہماری روایت کردہ حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے ، اور اس لیے کہ دریا کا میة حدیث کی بنا پر حلت کے ساتھ متصف ہے۔

ہماری دلیل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس مچھلی سے پانی خشک ہو گیا ہوا سے کھاؤ ، جس کو دریا نے پھینک دیا ہو اس کو بھی کھاؤ اور جو مر کر الٹی ہو گئی ہوا سے مت کھاؤ۔ اور صحابہ کی ایک جماعت سے ہمارے مذہب کے مثل منقول ہے ۔ اور دریا کا مردار وہ ہے ، جس کو دریا نے پھینک دیا ، تاکہ اس کی موت دریا کی جانب منسوب ہو سکے ، وہ مراد نہیں ہے جو کسی آفت کے بغیر دریا میں مر جائے۔

امام اعظم: جریث ، بام مچھلی کی تمام اقسام اور ٹڈی کو ذکاة (ذبح) کے بغیر کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام مالک: ٹڈی حلال نہ ہوگی مگر یہ کہ اسے پکڑنے والا ٹڈی کا سر کاٹے اور اس کو بھون لے ، اس لیے کہ ٹڈی خشکی کا شکار ہے ، اسی وجہ سے محرم پر ٹڈی مارنے کی وجہ سے اس کے حسب حال جزاء واجب ہوتی ہے ، لہذا قتل کے بغیر ٹڈی حلال نہیں ہوگی جیسا کہ دیگر تمام خشکی کے شکار میں ہوتا ہے ،

ہماری دلیل: ان کے خلاف وہی روایت حجت ہے ، جسے ہم بیان کر چکے ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ٹڈی کے متعلق سوال کیا گیا کہ انسان زمین سے اسے پکڑتا ہے ، جس میں مردہ اور زندہ دونوں طرح کی ٹڈی ہوتی ہیں ، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان سب کو کھاؤ ، اور یہ جملہ ان کی فصاحت میں سے شمار کیا گیا ہے۔ اور ان کا یہ فرمان ٹڈی کی اباحت پر دلالت کر رہا ہے اگرچہ وہ اپنی موت مری ہو ، بر خلاف مچھلی جب وہ بغیر آفت کے مر جائے ، اس لیے کہ طافی کے متعلق مذکور نص کی وجہ سے ہم نے مچھلی کی تخصیص کر دی۔

کتاب الاضحیة

حضرات طرفین ، امام زفر ، حسن ، اور امام ابو یوسف کی ایک روایت کے مطابق قربانی واجب ہے۔

امام ابو یوسف کا دوسرا قول و شوافع: قربانی سنت ہے۔

امام ابو یوسف و شوافع کی دلیل: نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ تم میں سے جو قربانی کرنا چاہے ، تو وہ اپنے بال اور ناخن میں سے کچھ بھی نہ کاٹے ، اور (قربانی کو ارادے پر معلق کرنا وجوب کے منافی ہے)۔ اور اس لیے کہ اگر مقیم پر قربانی واجب ہوتی ، تو یقیناً مسافر پر بھی واجب ہوتی ، اس لیے کہ مقیم و مسافر مالی عبادت میں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتے ، جیسے زکاۃ ، اور یہ عتیرہ کی طرح ہو گیا۔

اختلافات الهدایة

ہماری دلیل: نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ جو شخص وسعت کے باوجود قربانی نہ کرے، وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے، اور غیر واجب کے ترک پر اس طرح کی وعید لاحق نہیں ہوتی، اور اس لیے کہ قربانی ایسی عبادت ہے، جس کی طرف اس کا وقت منسوب ہوتا ہے اور یوم الاضحیٰ کہا جاتا ہے۔ اور یہ اضافت وجوب کی خبر دیتی ہے، کیونکہ اضافت کا مقصد اختصاص ہے اور اختصاص وجود کے ساتھ ہوتا ہے، اور ظاہر میں جنس مکلفین کی طرف نظر کرتے ہوئے، وجوب ہی وجود تک پہنچاتا ہے،

علاوہ ازیں اداء ایسے اسباب کے ساتھ خاص ہے کہ مسافر پر اس کا حاصل کرنا دشوار ہے، اور وقت گزرنے سے قربانی فوت ہو جاتی ہے، لہذا جمعہ کی طرح مسافر پر قربانی بھی واجب نہیں ہوگی۔ اور وہ روایت جو بیان کی گئی ہے، اس میں ارادے سے مراد سہو کی ضد ہے، نہ کہ اختیار اور عتیرہ منسوخ ہے۔

عتیرہ: وہ بکری جو ماہ رجب میں ذبح کی جاتی تھی۔

حضرات شیخین: اگر صغیر کے پاس مال ہو، تو اس کی طرف سے اس کا باپ یا اس کے مال میں سے اس کا وصی قربانی کرے۔

امام محمد، امام زفر اور امام شافعی: باپ اپنے مال سے قربانی کرے صغیر کے مال سے نہیں۔

کیونکہ قربت خون بہانے سے ادا ہو جاتی ہے اور اس کے بعد صدقہ کرنا تطوع ہے، لہذا یہ صغیر کے مال سے درست نہ ہوگا۔ اور بچے کے لیے پورا گوشت کھانا بھی ممکن نہیں ہے، اور صحیح ترین قول یہ ہے کہ صغیر کے مال سے قربانی کی جائے اور بقدر امکان اس میں سے وہ کھالے، اور باقی ماندہ سے کوئی ایسی چیز خرید لی جائے، جس کے عین سے نفع اٹھایا جاسکے۔

من جانب درجہ سادہ

جامعۃ المدینہ فیضانِ مفتی اعظم ہند شاہجہاں پور یوپی ہند